یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی

ڈاکٹر صفدر محمود

2 فروری 2010 روزنامہ جنگ

اصل بات یہ ہے کہ جذبے کے بغیر زندگی میں کوئی اہم کام یا بڑی قومی خدمت سرانجام نہیں دی جاسکتی کیونکہ جذبے ہی میں وہ قوت پوشیدہ ہے جو انسان میں مشکلات، رکاوٹوں اور مخالفتوں کو روندنے کا حوصلہ پیدا کرتی ہے اور انسان میں لگن، دھن، ایثار اور عزم کے بغیر نہ منزل ملتی ہے اور نہ ہی کوئی عظیم قومی خدمت سرانجام دی جاسکتی ہے۔ عصر حاضر کے رہنماؤں اور قومی شخصیات میں سے مجھے جذبے کی مثال لینا ہو تو میں سرسید احمد خان سے روشنی حاصل کرتا ہوں، بیداری، خودی، عزت نفس اور منزل کا شعور و آگہی حاصل کرنا ہو تو کلامِ اقبال کی جانب رجوع کرتا ہوں اور اگر عظمت کردار، مستقل مزاجی اور اعلیٰ سیاسی حکمت عملی کا سبق سیکھنا ہو تو قائداعظم کی شخصیت پر لکھی کتابوں کا مطالعہ کرتا ہوں۔

بات چلی تھی جذبے سے تو مجھے یاد آیا کہ جب سرسید احمد خان نے علی گڑھ کالج بنانے کا فیصلہ کیا تو ان پر کھاتے پیتے، سوتے جاگتے اور چلتے پھرتے ایک ہی دھن سوار رہتی تھی، گویا علی گڑھ کالج (جو سرسید احمد خان کے انتقال کے بعد یونیورسٹی بنا) ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ ایک بار کسی شخص نے انہیں نہایت محبت و عقیدت سے ایک پینٹنگ پیش کی۔ سرسید احمد خان نے اسے بازار میں فروخت کر کے رقم علی گڑھ کالج کے چندے میں جمع کر دی اور انہیں رسید بھجوا دی۔ علاقے کے ایک رئیس نے سرسید کو کھانے کی دعوت دی تو سرسید نے پوچھا کہ جناب عالی اس پر کتنا خرچ ہوگا۔ مہربانی فرما کر اتنی رقم علی گڑھ کالج کے لیے بطور چندہ دے دیں بس یہی میری دعوت ہے۔ لاہور کے ایک زندہ دل نے اپنی روایتی زندہ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے ٹوٹے ہوئے جوتے چندے میں بھجوا دیئے۔ سرسید نے انہیں مرمت کروا کر بازار میں بیچا، حاصل ہونے والی رقم کی رسید بھجوا کر زندہ دلی کے منہ پر خلوص اور لگن کا طمانچہ مار دیا۔ ایک جلسہ عام میں چندہ اکٹھا کرنے کے لیے تقریر کر رہے تھے تو حاضرین کی بے رخی دیکھ کر کہا ”مجرا سننے جاتے ہو تو جیبیں خالی کر کے لوٹتے ہو، قوم کے نام پر سرد مہری اختیار کیے ہوئے ہو“ حاضرین میں سے ایک زندہ دل نے فقرا

کسا۔ آپ بھی مجرا کر کے دکھا دیں تو ہم جیبیں خالی کر دیں گے۔ سفید نورانی ریش مبارک کے ساتھ سرسید نے اپنی قمیض شلوار میں ڈالی اور سٹیج پر ناچنا شروع کر دیا۔ بس پھر کیا ہوا کہ لوگوں کے پاس جو کچھ تھا سرسید کی جھولی میں ڈال دیا۔ سرسید نے اس طرح قوم کے لیے ناچ کر علی گڑھ کالج بنا دیا جو مسلمانوں کے لیے روشنی کا مینار ثابت ہوا۔ یہی کالج چند برس بعد یونیورسٹی بنا اور اس یونیورسٹی کے فارغ التحصیل طلبہ نے تحریک پاکستان کا ہراول دستہ بن کر کروڑوں مسلمانوں کو انگریز کی غلامی سے نجات دلائی اور قائداعظم کی رہنمائی میں پاکستان قائم کر دیا۔ یوں سرسید احمد خان تاریخ میں امر ہو گئے۔ تاریخ میں ایک ابدی مقام پا گئے جو صدیوں کے بعد ہی کسی کو ملتا ہے۔ میرے نزدیک سرسید احمد خان نام ہے قومی درد اور جذبے کا اور یہی قومی درد اور جذبہ قوموں کی زندگی میں انقلاب لاتا ہے اور ان کے مقدر بدلتا ہے ورنہ سنگ وخشت سے نئے جہاں پیدا نہیں کئے جا سکتے۔ راز کی بات یہ ہے کہ جذبے سے تہی دامن شخص سنگ وخشت ہی ہوتا ہے۔ کہنا میں یہ چاہتا تھا کہ جب تک کسی قوم کے باطن میں چھوٹے چھوٹے سرسید احمد خان جذبے کے چراغ جلاتے رہیں اور خدمت کی شمعیں روشن کرتے رہیں وہ قوم سینکڑوں خطرات اور مسائل کے باوجود ترقی کی منزلیں طے کرتی رہتی ہے اور جس قوم کا دامن ایسے لوگوں کے وجود سے خالی ہو جائے وہ قوم بھی قوم نہیں رہتی۔ آج اپنے اردگرد نظر ڈالئے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ قوم کے لیے ناچنے والے کم ہیں اور قوم کو نچوانے والے زیادہ۔ سیاستدانوں کا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دل میں چاہے کتنا ہی قومی درد رکھتے ہوں وہ بقول میرے دوست شاہین اقتدار کے بغیر قوم کی خدمت نہیں کر سکتے۔ ان کو جب تک کرسی نہ ملے وہ کسی کام کے نہیں ہوتے، یعنی ان کی قومی خدمت حکومتی وقومی وسائل سے وابستہ ہوتی ہے جبکہ سرسید احمد خان ایک ایسے جذبے کا نام ہے جو وسائل بھی خود پیدا کرتا ہے اور پھر ساری زندگی اپنے مشن کی تکمیل کے لیے وقف کر دیتا ہے۔ میں جب کبھی سیاستدانوں اور حکمرانوں کی لوٹ مار، قومی بے حسی اور خودغرضی کے سبب مایوس ہونے لگتا ہوں تو مجھے اپنی قوم کے چھوٹے چھوٹے سرسید احمد خان نہ صرف مایوسی سے بچا لیتے ہیں ہیں بلکہ میرے ذہن کے افق پر امید واعتماد کے چراغ جلا کر قومی مستقبل کی راہوں کو منور کر دیتے ہیں۔ جوانی میں میں بھی اسی طرح کی خدمت کے جذبے سے سرشار تھا لیکن اپنی کم ہمتی کے سبب سرکاری ملازمت کا اسیر ہو کر رہ گیا،

اس لیے وہ لوگ جو قومی خدمت کے کسی بھی میدان میں کامیابیوں کے جھنڈے گاڑتے ہیں وہ میرے دل کے بہت قریب رہتے ہیں، کیونکہ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ میرے مشن کی ہی تکمیل کررہے ہیں بقول فیض

اپنی تکمیل کررہا ہوں میں
ورنہ تم سے تو مجھ کو پیار نہیں

قومی ترقی کے لیے حکومت کی طرف دیکھنا غلامانہ ذہنیت کا شاخسانہ ہے۔ حقیقی معنوں میں ترقی وہ ہوتی ہے جسے قوم کے افراد اپنے خلوص، لگن اور جذبے سے سرانجام دیتے ہیں۔ میں جب اس حوالے سے اپنے چھوٹے سے دائرے پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے اپنی قوم کا مستقبل تابناک نظر آتا ہے، کیونکہ کراچی سے لے کر پشاور تک کتنے ہی افراد، کتنے ہی ادارے، این جی اوز اور پرائیویٹ انجمنیں خدمت کے منصوبوں پر دن رات کام کررہی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ یہی چراغ ہماری راہوں میں اجالا کریں گے اور ہمارا قومی مقدر بدلیں گے۔ صحت، تعلیم، خودانحصاری، خدمت اور غربت کے خلاف جہاد میں بے شمار افراد تن، دھن، من اور لگن سے مصروف ہیں لیکن میں صرف چند ایک کا ذکر کررہا ہوں جنہیں میں جانتا ہوں۔ میری نگاہوں کے سامنے سات برس قبل ڈاکٹر امجد ثاقب نے ''اخوت'' کی بنیاد رکھی جس کا مقصد مفلوک الحال خاندانوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنا تھا۔ آج اخوت 65 کروڑ روپے 52 ہزار خاندانوں میں بلاسود قرضِ حسنہ کے طور پر تقسیم کرکے کئی لاکھ افراد کو روزی کمانے کے قابل بنا چکی ہے اور اس کے بلاسود قرضوں کی واپسی 99.8 فیصد ہے۔ میرے عزیز شاگرد طاہر یوسف شیخ نے لاہور میں مستحق بچوں کی تعلیم کیلئے ٹرسٹ سکول قائم کیا آج اس کی پانچ شاخیں علم کی روشنی پھیلا رہی ہیں۔ جہاں غریب بچوں کو مفت اور معیاری تعلیم دی جاتی ہے۔ گزشتہ سال میٹرک میں اس سکول کے 145 بچوں میں سے 123 بچوں نے اے پلس (A+) لیا۔ میرے دوست عبدالشکور صاحب نے کھاریاں کے قریب اور افتادہ گاؤں چنن میں سکول کھولا جو اب کالج بن چکا ہے۔ یہاں 450 طلبہ کو مفت تعلیم دی جاتی ہے۔ شکور صاحب نے الفلاح سکالرشپ شروع کی جس سے اس وقت یونیورسٹی، میڈیکل، انجینئرنگ اور سائنس کے 564 طلبہ کو وظیفے اور قرض حسنہ دیا جارہا ہے۔

شفا انٹرنیشنل اسلام آباد کے صدر ڈاکٹر ظہیر احمد نے تعمیر ملت فاؤنڈیشن قائم کی جو ملک بھر میں 431 سکول کھول کر تیس ہزار طلبہ کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کر رہی ہے جس میں سے پندرہ ہزار سے زیادہ طلبہ کی فیس معاف ہے جبکہ کشمیر کے زلزلہ زدہ طلبہ کو ہاسٹل، کھانا یونیفارم بھی مفت مل رہا ہے۔ ڈاکٹر ظہیر احمد نے بائیس برس کی محنت اور لگن سے چھوٹے دیہاتوں اور غریب علاقوں میں سکول قائم کر دیئے ہیں جن میں وانا، نوشکی، سوڈیرو، سکردو، پنڈ دادنخان اور خانیوال کے علاقے شامل ہیں۔ میں گزشتہ دنوں فتح جنگ میں تین سو ایکڑ پر محیط شہر علم دیکھ کر بے حد متاثر ہوا جسے ڈاکٹر صاحب نے قائم کر کے علی گڑھ کی یاد تازہ کر دی ہے۔

کالم کا دامن مختصر ہے اور کارناموں کی تعداد بے پناہ۔ بہر حال کہنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ چھوٹے چھوٹے سر سید ہی ہمارے روشن مستقبل کی ضمانت ہیں اور وہ تعارف یا ذکر کے محتاج نہیں لیکن ان کا ذکر کر کے میں اپنی تکمیل کر رہا ہوں، کیونکہ قومی جذبوں کے یہ روشن مینار مجھے مایوسی سے بچاتے اور خلوص عزم اور خدمت کا پیغام دے کر قوم کے روشن مستقبل کی نوید سناتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی۔